© rasailojaraid.com

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ، ۳۱/۱-۲، جنوری-دسمبر ۲۰۱۶ء

سورہ آل عمران میں کلمۂ سواء کی دعوت اور اس کی معنویت

نسیم ظہیر اصلاحی

سورہ آل عمران، سورہ بقرہ کی مثنیٰ سورہ ہے۔ اس میں بھی یہود و نصاریٰ کو اسی طرح ایمان و اسلام کی دعوت دی گئی ہے، جس طرح سورہ بقرہ میں ان کو دعوت دی گئی تھی۔ ان کی اعتقادی گمراہیوں اور اخلاقی خرابیوں کو بڑے استدلالی اسلوب اور تدریجی انداز میں اسطرح واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کے لئے حق وصواب سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہ جائے۔ اگر وہ عناد و دشمنی یا کسی دنیوی نقصان ومحرومی کے خوف سے فرار و انکار کا ہی راستہ اختیار کرنا چاہیں تو اس فرار و انکار کا اعتراف و اقرار بھی ان کو اپنی زبان سے کرنا پڑے۔ سورہ آل عمران آیت ۶۴ ''یا اهل الکتاب تعالوا إلی کلمة سواء بیننا و بینکم ،، میں کلمۂ سواء کی طرف رجوع کی دعوت، اسی اتمامِ حجت کی ایک کڑی ہے۔

پس منظر

غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کی جو دھاک قائم ہوئی، اس سے یہود و نصاری کا رویہ بظاہر قدرے موافقانہ ہوگیا تھا۔ گو ان کے دل مخاصمت کے جذبات سے بھرے ہوئے تھے۔ لیکن غزوۂ احد میں باوجود فتح و غلبہ کے مسلمانوں کو جس بھاری نقصان سے دوچار ہونا پڑا، اس سے اہل کتاب کا رویہ پھر تبدیل ہوگیا۔ انھوں نے سمجھا کہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اب وہ کھلم کھلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخالفت کی راہ پر چل پڑے اور مسلمانوں کی جمعیت و وحدت اور طاقت وقوت کو پارہ پارہ کرنے کی ہر سعی ناشکور میں مصروف ہو گئے۔

آیت زیر بحث اور اس سے ماقبل و مابعد کی آیات انہیں حالات میں نازل ہوئی ہیں۔ جن میں ان کے باطل عقائد، اخلاقی خرابیوں، غلطیوں اور غلط فہمیوں سے ان کو متنبہ کیا گیا۔ اسلام اور اسلامی تعلیمات کے تئیں ان کے تذبذب کا پردہ چاک کر کے ان کو راہ راست پر لانے کی مناسب تدابیر اختیار کی گئیں۔ ان تدبیروں میں ایک تدبیر ''مباہلہ'' کی دعوت بھی تھی۔ جس سے وہ اعراض تو کر گئے لیکن اعترافِ حق ان کے رویہ سے ظاہر ہو کر رہا۔ اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ ایک بار پھر ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور ضد و ہٹ دھرمی رکاوٹ نہ بننے پائے، اس کے لئے اختلافی و نزاعی باتوں کو چھوڑ کر ان کے مسلمات کو بنیاد بنایا جائے تاکہ انقیاد و اعتراف کی جو کیفیت ابھی ظاہر ہوئی ہے، وہ ان کو قبول حق پر آمادہ کرے اور اگر اب بھی نہ مانیں تو خود ان کو کہنا پڑے کہ ہم خطاوار ہیں۔

لفظ ''سوار'' کی تحقیق

لفظ ''سوار'' مساوات سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں، برابر ہونا، برابر کرنا اور ہم مثل ہونا[۱] جمہرۃ اللغۃ میں ہے:

السواء من المساواۃ تقول بنو فلان سواء اذا استووا فی خیر اوشر[۲]۔

سوار، مساوات سے نکلا ہے بنو فلان سواء اس وقت بولا جاتا ہے جب خیر یا شر میں ایک دوسرے کے برابر ہوں۔

یہیں سے لفظ " سواء " وسط اور بیچ کے معنی میں بولا جانے لگا۔ اس لیے کہ وسط شی، شی کو دو برابر حصوں میں کر دیتا ہے۔ ابن درید کی جمہرہ میں ہے:

سواء کل شی : وسطہ ، کذا فسر قولہ تعالی فی سواء الجحیم ۔ وضعت الشئ فی سواء کمی : ای وسطہ[۳]۔

سوائے شی، شی کے وسط کو کہا جاتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ فی سواء الجحیم میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے وضعت الشئ فی سواء کمی والے محاروہ میں لفظ "سواء" وسط کے معنی میں ہے۔

ابن السکیت کہتے ہیں: سواء ممدود بمعنی وسط ۴؎ (سوار الف ممدودہ کے ساتھ وسط کے معنی میں ہے)۔ اقرب الموارد میں ہے ضرب سواہ: وسطه۔ اسی طرح بولا جاتا ہے لقیته فی سواء النهار ای فی منتصفه ۵؎ یعنی عین دوپہر رنصف النہار کے وقت ملاقات ہوئی۔ صحاح جوہری میں ہے: تقول: مکان سُویً و سِویً و سَواءً ا: ای عدل و وسط فیما بین الفریقین ۶؎۔

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ کسی چیز کے بیچ یا وسطی حصہ کو "سواء" کہا جاتا ہے۔ اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ متعدد افراد و اشخاص یا گروہ و جماعت کے مابین موجود اس نکتۂ اتصال واشتراک کو بھی "سواء" کہا جاسکتا ہے جو دو افراد یا جماعت کو باہم ملائے اور ایک کو دوسرے سے جوڑے یعنی قدر مشترک۔

لفظ 'سوار' کے متعلق ایک خیال یہ ہے کہ یہ استوار سے ماخوذ ہے اور "مستو" کے معنی میں ہے۔ زجاج کا بیان ہے:

ویقال للعدل سَواءً، سِویً، سُویً– السواء: العدل ..... وهو الحق وهو من استواء الشئ ۷؎ چنانچہ بولا جاتا ہے: ارض سواء: مستوية ۸؎۔

السواء من الارض: المستوی ۹؎۔ رجل سواء القدم: مستو ليس لها اخمص فسواء فی هذا المعنی المستوی ۱۰؎۔

علامہ ابوحیان اندلسی کی تحقیق ہے:

السواء: اسم بمعنی استواء مصدر استوی۔ وصف به بمعنی مستو ۱۱؎۔

ازہری کا بیان ہے:

ثعلب عن ابن الاعربی: يقال دار سواء و ثوب سواء، ای مستو طوله وعرضه وصفاته ۱۲؎۔

اس اعتبار سے "سوار" کے معنی ہوں گے برابر، ہموار، موزوں، جس میں کسی قسم کی کجی یا بیجا نشیب وفراز نہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفسرین کے اقوال

مفسرینِ کرام سے لفظ ”سواء“ کے تین معنی منقول ہیں:

۱۔ عدل و انصاف والی بات جس میں کسی جانب میلان و جھکاؤ نہ ہو۔ تفسیر ابن جریر میں ہے:

تعالوا إلى كلمة سواء : یعنی إلى كلمة عدل بيننا و بينكم ۱۳ؐ۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اس کی یہی تفسیر منقول ہے ۱۴ؐ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کی تلاوت اس طرح کیا کرتے تھے: تعالوا إلى كلمة عدل ۱۵ؐ۔

چونکہ لفظ ”سواء“ کا یہ معنی ”عدل“ مذکورہ دونوں جلیل القدر مفسرین صحابہ کرامؓ سے منقول ہے اس لئے ہمارے مفسرین کی بڑی تعداد نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

امام راغب اصفہانیؒ فانبذ إليهم على سواء (انفال/۵۸) کا معنی ”ای عدل من الحكم“ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: كذا قوله إلى كلمة سواء ۱۶ؐ۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: هی الكلمة العادلة المستقيمة التی ليس فيها ميل عن الحق ۱۷ؐ یعنی عدل و انصاف والی ایسی بات جس میں حق سے کوئی انحراف نہیں ہے۔

علامہ شوکانیؒ نے بھی بعینہٖ یہی الفاظ دہرائے ہیں ۱۸ؐ۔

ابوحیان اندلسیؒ لکھتے ہیں: دعاهم إلى كلمة فيها انصاف إلى كلمة عادلة بيننا وبينكم ۱۹ؐ۔

علامہ خازن نے لکھا ہے: یعنی فيها انصاف لاميل لاحد على صاحبه ۲۰ؐ۔

مفسر بروسی کی تشریح ہے:

انه كلام مبنى على الانصاف و ترك الجدال لاميل فيه إلى جانب حتى يكون فيه شائبة التعصب ۲۱ؐ۔

یہ مبنی بر انصاف اور بحث و جدال سے پاک بات ہے کسی جانب میلان و جھکاؤ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہے کہ اس میں تعصب و جانبداری کا کوئی شائبہ ہو۔

۲۔ لفظ "سواء" "مستویة" یعنی برابر و یکساں کے معنی میں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول تفسیر "عدل" کا معنی بھی "مستویة" ہی ہے۔ اس لئے کہ خود عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی ایک دوسری تفسیر "مستویة" بھی منقول ہے ۲۲ صاحب روح المعانی علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

وقیل ان سواء، مصدر بمعنی مستویة ای لاتختلف فیھا التوراة والانجیل والقرآن ولا اختلاف فیھا بکل الشرائع ۲۳۔

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ سواء مصدر ہے اور مستوی کے معنی میں ہے۔ یعنی اس میں توراۃ، انجیل اور قرآن مختلف نہیں ہیں اور نہ اس میں جملہ شرائع کے مابین کوئی اختلاف ہے۔

علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں:

سواء بیننا وبینکم : مستویة بیننا وبینکم لایختلف فیھا القرآن والتوراة والانجیل ۲۴۔

تفسیر ابوالسعود میں ہے:

تعالوا إلی کلمة سواء : لاتختلف فیھا الرسل والکتب ۲۵۔

تفسیر خازن میں ہے: **کلمة سواء : ای عدل لاتختلف فیھا التوراة والانجیل والقرآن ۲۶۔**

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **سواء بیننا و بینکم : ای عدل و نصف نستوی نحن وانتم فیھا ۲۷۔**

فرار بغویؒ کا بیان ہے: **تعالوا إلی کلمة سواء، عدل بیننا وبینکم مستویة۔ ای امر مستو ۲۸۔**

ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ "کلمہ سواء" سے مراد ایک ایسی بات ہے جو دونوں فریق یعنی مسلمانوں اور اہل کتاب کے یہاں یکساں طور پر موجود اور دونوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں مسلم ہے۔ اس کی اصل نوعیت و کیفیت میں کوئی فرق و اختلاف نہیں ہے۔

مذکورہ بالا اقوال میں وارد الفاظ عدل، نصف اور نصفہ سے یہ خیال نہیں ہونا چاہیے کہ ان اقوال میں بھی لفظ ''سواء'' سے مراد عدل و انصاف والی بات ہے۔ مشہور ماہر لغت زجاج کا یہ قول پیچھے گزر چکا ہے کہ ''یقال للعدل سَواء سِوی سُوی' یعنی لفظ عدل کی تعبیر ''سِـــُـوَاء'' سے کی جاتی ہے۔ اور لفظ ''سواء'' استواء سے نکلا ہے اور مستویۃ کے معنی میں ہے''۔ اس لئے لفظ عدل کا معنی وہی ہوگا جو سوی کا ہے یعنی برابر و یکساں۔ مزید برآں ان اقوال کے قائلین نے آگے جو وضاحت کی ہے، خود اس سے بھی مذکورہ خیال کی تردید ہوتی ہے۲۹۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کلمہ ''ســـواء'' سے مراد ''کلمہ قصد'' ہے یعنی افراط و تفریط سے پاک، معتدل اور سیدھی بات۳۰۔ ہمارے خیال میں لفظ ''ســواء'' کا یہ مفہوم پہلے مفہوم سے قریب بلکہ اسی کی ایک دوسری تعبیر ہے۔

امام رازیؒ کی توضیح

امام رازیؒ یوں تو پہلے قول کے قائل و مؤید ہیں تاہم وہ کچھ اس انداز سے اس کی توضیح و تشریح کرتے ہیں کہ اول الذکر دونوں بلکہ تینوں مفہوم جمع ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک لفظ ''ســواء'' تسویۃ سے مشتق ہے۔ اور عدل و انصاف، تسویہ یعنی برابری کو مستلزم ہے۔ اس لئے یہاں لفظ ''سواء'' دراصل عدل ہی کی تعبیر ہے۔ لکھتے ہیں:

اما قوله تعالى إلى كلمة سواء بيننا، فالمعنى هلموا إلى كلمة فيها انصاف من بعضنا لبعض لاميل فيه لاحد على صاحبه. والسواء هو العدل والانصاف وذلك لان حقيقة الانصاف اعطاء النصف فان الواجب فى العقول ترك الظلم على النفس وعلى الغير وذلك لايحصل الا باعطاء النصف، فاذا انصف وترك ظلمه اعطاه النصف فقد سوى بين نفسه وبين غيره وحصل الاعتدال. واذا ظلم واخذ اكثر مما اعطى زال الاعتدال، فلما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كان من لوازم العدل والانصاف التسوية جعل لفظ التسوية عبارة عن العدل. ثم قال الزجاج .... فعلى هذا قوله "كلمة سواء" اى كلمة عادلة مستقيمة مستوية فاذا آمنا بها نحن وانتم كنا على السواء والاستقامة[۳۱]

(مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی بات کی طرف آؤ جس میں ہم سب کی طرف سے ایک دوسرے کیلئے انصاف ہے۔ کسی کے خلاف، کسی کے حق میں میلان و جھکاؤ نہیں ہے۔ سواء عدل وانصاف کا نام ہے۔ اس لئے کہ انصاف کی حقیقت اعطائے نصف یعنی دوسرے کو آدھا دینا ہے۔ کیونکہ عقل واجب قرار دیتی ہے کہ آدمی نہ اپنے اوپر ظلم کرے نہ کسی دوسرے کے اوپر۔ اور عدم ظلم کا حصول بغیر نصف ادا کئے ممکن نہیں۔ پس جب آدمی نے آدھا لیا اور ظلم ترک کیا تو اس نے آدھا دیا اور اپنے اور غیر کے مابین برابری قائم کی اور اعتدال حاصل ہوا، اور جب اس نے ظلم کیا اور جتنا دیا اس سے زیادہ لیا تو اعتدال زائل ہو گیا اور چونکہ تسویہ اور برابری عدل وانصاف کے لوازم میں سے ہے، اس لئے یہاں لفظ سواء سے عدل کی تعبیر کی گئی۔ زجاج کا بیان ہے .... پس اس اعتبار سے کلمہ سواء کا مطلب ہے عادلانہ سیدھی اور برابر و یکساں بات۔ پس جب ہم اور تم اس پر ایمان لائیں گے تو ہم لوگ برابر و ہموار سیدھی راہ پر چلنے والے ہونگے)۔

امام رازیؒ کا یہ بیان دراصل اس خیال پر مبنی ہے کہ عدل بغیر برابری اور مساوات کے پایا نہیں جاسکتا۔ ہمارے خیال میں یہ نکتہ بہت صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ عدل کے لئے ہر جگہ اور ہر حال میں برابری اور مساوات لازم نہیں ہے۔ فرض کیجئے کسی کے ذمہ ایسے دو آدمیوں کی کفالت ہو، جن کی ضروریات کا صرفہ برابر نہیں بلکہ کم زیادہ ہے۔ اب اگر وہ شخص ماہ بماہ ان دونوں کو دس دس ہزار روپے دیا کرے تو امام رازیؒ کے نزدیک وہ شخص عادل ہے۔ لیکن اگر ایک کو اس کی ضرورت کے اعتبار سے دس ہزار اور دوسرے کو اس کی ضرورت کے اعتبار سے پندرہ ہزار دے تو وہ عادل نہیں کہلائے گا۔ اس لئے کہ اس نے اپنے فرض کفالت کی ادائیگی میں تسویہ یعنی برابری ملحوظ نہیں رکھی۔ جبکہ عدل کی صحیح تعریف کے لحاظ سے پہلی صورت میں وہ غیر عادل اور دوسری صورت میں عادل کہلائے گا۔ امام رازیؒ نے اپنی گفتگو میں معروف لغوی زجاج کا جو حوالہ دیا ہے، اسی گفتگو میں زجاج نے "عدل" کا معنی حق بتایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ۳۲۔ اگر زجاج کا بیان صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر امام رازیؒ کا مذکورہ فلسفہ بے وزن ہو کر رہ جاتا ہے۔ گذشتہ مثال کی دوسری صورت میں کفیل اس لئے عادل کہلائے گا کہ اس نے ہر حقدار کو اس کا صحیح حق دیا۔ جس کو کم ضرورت تھی اس کو کم دیا، جس کو زیادہ ضرورت تھی اس کو زیادہ دیا۔ اگر وہ دونوں کو برابر برابر دیتا تو وہ اپنے فرض کفالت میں کوتاہی اور قیام عدل سے روگردانی کا مرتکب قرار پاتا۔

جن مفسرینِ کرام نے لفظ "سـواء" کا معنی عدل بتایا اور اس سے حق وانصاف والی بات مراد لیا، ان کے وجوہ و دلائل کو امام رازی نے بہت اچھی طرح بیان کر دیا ہے۔ مگر ان کے بیان میں جو کمزوری ہے ہمارے گذشتہ بیان سے ظاہر ہے۔ یہاں ایک اشکال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کلمہ سوار کی مذکورہ دعوت سے پہلے جو دعوت اہل کتاب کو دی جارہی تھی کیا وہ عدل وانصاف پر مبنی نہیں تھی؟

ایک اور رائے

مذکورہ تینوں خیالات سے الگ ایک تیسرا خیال معروف مفسر ابن عطیہ اندلسیؒ نے پیش کیا ہے۔ ان کے خیال میں "کـلمہ سواء" سے مراد، استواءِ حال یعنی حالت و مرتبہ میں تمام لوگوں کا برابر و یکساں ہونا ہے۔ ان کی بات انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

والـذی اقوله فی لفظة سواء، انها ینبغی ان تفسر بتفسیر خاص بها فی هـذا الـموضـع وهـو انه دعا هم إلی معان، جمیع الناس فیها مستوون، صغیرهـم و کبیـرهـم و کانت سیرة المدعویین ان یتخذ بعضهم بعضا اربابا فلم یکونوا علی استواء حال. فدعاهم بهذه الایة إلی ماتألفه النفوس من حق لایتفاضل الناس فیه ۳۳۔

(لفظ سوار کے بارے میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس موقع پر اس کی ایک خاص تفسیر کرنی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ یہاں لوگوں کو ایسے امور و معانی کی دعوت دی جارہی ہے جن میں چھوٹے بڑے تمام لوگ برابر ہیں۔ جبکہ مدعوین یعنی اہل کتاب کا حال یہ تھا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے اپنے بعض لوگوں کو ارباب بنا رکھا تھا اس لئے تمام لوگ ایک ہی حال پر نہیں رہے (بلکہ کچھ افضل و اعلیٰ تو کچھ مفضول وادنیٰ) اس لئے اس آیت میں ان کو ایک ایسے حق کی دعوت دی گئی جس سے طبیعتیں مانوس بھی ہیں اور اس کو چاہتی بھی ہیں اور اس میں نہ کوئی افضل ہے نہ کوئی مفضول (بلکہ سب یکساں حالت و مرتبہ کے حامل ہیں)۔

الفاظ کے فرق کے ساتھ یہی بات سید قطبؒ نے بھی اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں کہی ہے:

> ''بلاشبہ یہ ایک نہایت منصفانہ دعوت ہے۔ ایک ایسی دعوت جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور اپنے مسلمان ساتھیوں کے لئے ان اہل کتاب پر کوئی تفوق و برتری نہیں چاہتے ۔ ایک ایسا کلمۂ حق جس کے آگے تمام لوگ ایک ہی معیار و مستوی پر ہیں ۔ کوئی کسی پر فضیلت و برتری نہیں رکھتا نہ کوئی کسی کا بندہ و غلام ہے''۳۴۔

تبصرہ

دوسرے قول کو چھوڑ کر بقیہ تینوں اقوال اپنے بنیادی فکر و خیال کے اعتبار سے گو نہایت مضبوط اور موزوں ہیں اور ان کی صداقت و حقانیت پر کوئی کلام نہیں ہوسکتا لیکن کیا واقعی آیت کی یہی تفسیر ہے اور کیا یہی باتیں کہنے کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں؟ یہ بات محلِ نظر ہے۔ سیاق وسباق، نظم کلام اور وہ صورتحال جس میں یہ آیت نازل ہوئی، ہمارے خیال میں مذکورہ تفسیروں کے خلاف ہیں ۔ اگر سیاق وسباق اور نظم کلام وغیرہ سے صرف نظر کر کے ہر آیت کو مستقل بالذات ایک مضمون اور حکم مان لیا جائے تو بلاشبہ آیت کے یہ تینوں بلکہ چاروں مفاہیم بیک وقت مراد ہو سکتے ہیں اور ان کے اختلاف کو اختلافِ تضاد کے بجائے اختلافِ تنوع کہا جائے گا، جو کلام اللہ کی خاص خصوصیت ہے۔

ہمارے خیال میں سررشتۂ نظم کو چھوڑنے سے کلام کا مضمون خبط ہو جاتا ہے اور اصل مدعا واضح نہیں ہو پاتا۔ اس آیت کی تفسیر بالخصوص مخاطب کی تعیین میں بہت سے مفسرین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے نظم کا حوالہ دیا ہے۔ علامہ شوکانی جو مخالفین نظم کے سرخیل ہیں ۳۵ ؎ یہاں بطور خاص نظم کا حوالہ دیتے ہوئے نظر آرہے ہیں ۳۶ ؎۔ اس لئے یہاں نظم پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے اور جو بات نظم سے قریب تر ہو اسی کو آیت کی تفسیر سمجھنی چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب

مفسرین کرام کے دوسرے گروہ نے جو اکثریت میں معلوم ہوتا ہے لفظ "سواء" کو استوار سے ماخوذ و مشتق مان کر مستو بمعنی برابر و یکساں مراد لیتے ہوئے اس کی جو تشریح کی ہے وہ نظم کلام سے لگتی ہوئی ہے۔ ان کی تشریح کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں اہل کتاب کو ایک ایسی قدر مشترک کی دعوت دی گئی ہے جو دونوں فریق مسلمان اور اہل کتاب کے نزدیک یکساں اور مسلمات میں سے ہے۔

اس مفہوم سے تو اختلاف نہیں، لیکن اس کے ماخذ سے اختلاف ہے۔ "مستو" جسے لفظِ "سواء" کا مفہوم و مدلول بتایا جارہا ہے، کیا اس میں اشتراک و مشارکت کا معنی پایا جارہا ہے؟ "مستو" باب افتعال سے اسم فاعل ہے اور باب افتعال کی ایک خاصیت مشارکت ضرور ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ باب افتعال کے ہر مصدر میں لازماً یہ خصوصیت موجود رہے۔ ہمارے خیال میں "استواء" بھی افتعال کے ان مصادر میں سے ہے جن میں مشارکت نہیں پائی جاتی۔ پیچھے لفظ سواء کی ہم نے جو لغوی تحقیق کی ہے اس سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ جن ماہرینِ لغت نے سواء کو استوار سے مشتق مانا ہے پھر اس کے استعمال کی جو مثالیں دی ہیں ان سے استواء الشیئین بینهما کا مفہوم نہیں نکلتا بلکہ ان سے، محض سیدھا، برابر، ہموار، جس میں کی کسی قسم کی نامناسب کجی، عدم اعتدال اور بیجا نشیب و فراز نہ ہو، کا مفہوم نکلتا ہے۔ مشارکت کے لئے ضروری ہے کہ فعل متعدی ہو جبکہ استوار لازم ہے۔ قال اللیث: الاستواء فعل لازم من قولك سويته فاستوى ۳۷ ؎۔

ہمارا خیال ہے کہ لفظ "سواء" کے صحیح، بامعنی اور نظم کلام سے ہم آہنگ مفہوم کے لئے اس کو استوار کے بجائے "مساوات" سے مشتق ماننا چاہیے۔ جیسا کہ بہت سے لغویوں نے مانا ہے۔ مناسب ہوگا ہماری گذشتہ لغوی تحقیق ایک بار پھر ملاحظہ کرلی جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم ان کا اعادہ کرنے کے بجائے فرار بغوی کی تشریح نقل کرتے ہیں:

يقال دعا فلان إلى السواء. اى إلى النصفة وسواء كل شئ وسطه ومنه قوله تعالى فرآه في سواء الجحيم (الصافات/ ۵۵) انما قيل للنصف سواء لان اعدل الامور وافضلها، اوسطها ۳۸

(کہا جاتا ہے دعا فلان إلى السواء، اس کا مطلب ہے اس نے بیچ اور درمیانی بات کی دعوت دی سواء کل شئ، شی کے وسط اور بیچ کو کہتے ہیں۔ اس کی مثال فرآه في سواء الجحيم ہے جہاں سواء وسط اور بیچ کے معنی میں ہے۔ نصف کو سوار اس لئے کہتے ہیں کہ امور ومعاملات میں سب سے مناسب اور افضل، درمیانی امر ہوتا ہے)۔

فرار بغوی، جو ماہر لغت اور نامور مفسر قرآن بھی ہے، کی اس نکتہ رس تصریح سے تقریباً طے ہو گیا کہ لفظ سواء مساوات سے نکلا ہوا اسم ہے اور ایسی چیز کیلئے بولا جاتا ہے جو بیچ اور درمیان کی ہو۔ علامہ زمخشریؒ نے لکھا ہے: ''مكان سوى: وسط بين الحدين ۳۹۔ یعنی دو حصوں یا دو حدوں کے درمیان کو کہا جاتا ہے۔ صحاح للجوہری کا یہ بیان پیچھے گذر چکا ہے: ''مكان سِوى وسَواء: اى عدل ووسط فيما بين الفريقين ۴۰۔ یعنی دو فریق کی مشترک و متفق علیہ بات کو سوار کہتے ہیں۔

بہر حال لفظ سواء کو مساوات سے مشتق اور قدرِ مشترک و امر مسلم کے معنی میں مان کر بحث کو آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ اس مفہوم کی معنویت کے لئے آیت کے سیاق پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔

سیاق وسباق

پہلے نہایت موثر انداز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوالِ واقعی بیان کئے گئے۔ الوہیت کے منافی جو چیزیں حضرت عیسیٰ سے منسوب کردی گئی تھیں نہایت حکیمانہ انداز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی زبان مبارک سے ان کی تردید کرائی گئی، پھر ان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل پیغام اور حقیقی مشن بیان کیا گیا کہ اللہ واحد ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے وہی ہماری تمام عبادتوں کا حقدار ہے۔ تنہا اسی کی عبادت صحیح وسیدھا راستہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (آل عمران: ۵۱/۳)

اس اعلانِ حق کے بعد جس شدید ردِ عمل اور سخت صورتِ حال سے حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں کو دوچار ہونا پڑا، اس میں خدا کی نصرت و دستگیری کا اظہار اور حضرت عیسیٰؑ کے یہودیوں کی گرفت سے محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے مخالفین و معاندین کے انجامِ بد کی خبر دی گئی۔ اس کے بعد ایک بار پھر حضرت عیسیٰؑ سے الوہیت کی نفی کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ کی مثال حضرت آدمؑ کی سی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اور یہ ایسی بات ہے جس پر شک نہیں ہونا چاہئے۔ اگر حضرت آدمؑ کا بن ماں باپ کے پیدا ہونا ان کے ابن اللہ ہونے کو مستلزم نہیں ہے تو حضرت عیسیٰؑ کا صرف بن باپ کے پیدا ہونا، ان کے ابن اللہ ہونے کو کس طرح مستلزم ہوسکتا ہے؟

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَاتَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (آل عمران: ۶۰/۳)

ان تمام بحث و گفتگو میں بہترین ترتیب و تدریج ملحوظ رکھی گئی ہے۔ ہمدردی و بہی خواہی، نرمی و ملاطفت اور ہدایت بخشی کی چاہت بھی انداز کلام سے نمایاں ہے۔ لیکن اب آگے کلام کا تیور ذرا بدل رہا ہے اور استدلال بالدلائل کے بجائے استدلال باللوازم کا طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے۔

اس سلسلۂ کلام کے بہت پہلے سے خطاب براہ راست یہود و نصاریٰ کی طرف تھا اور ان کے مشرکانہ عقائد و خیالات کے بطلان اور ان کی اخلاقی و سماجی خرابیوں سے بدلائل ان کو متنبہ کرکے توحید و رسالت کی دعوت دی جا رہی تھی۔ لیکن آیت ۵۸ سے خطاب بطور التفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگیا اور فرمایا گیا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحیح علم آگیا ہے۔ آپ ان اہل کتاب کو حقیقی صورتِ حال سے واقف کرادیں اور اگر اب بھی نہ مانیں اور آپ سے بحث و تکرار کریں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو آپ ان کو "مبـاهلـه" کی دعوت دیں ۴۱۔ اگر وہ اس سے اعراض کریں تو سمجھ لیجئے کہ یہ پکے مفسد ہیں اور اللہ ایسے لوگوں سے خوب واقف ہے۔

حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضور فداہ روحی وامی وابی نے حکم خداوندی کے بموجب جب نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی تو وہ آپ ﷺ کے اس چیلنج کو قبول کرنے کی ہمت نہ کر سکے اور جھک کر صلح وطاعت کا اقرار کرنے پر آمادہ ہو گئے ۴۲۔ اس طرح یہ بات عرب کے تمام قبائل میں پھیل گئی کہ نصاری اور ان کے پیشوا و پادری ایسے عقائد رکھتے اور ان کی اتباع کرتے ہیں، جن کی حقانیت و صداقت پر خود انہیں پورا یقین و اعتماد نہیں ہے ۴۳۔

روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب آنحضور ﷺ، حضرت علی و حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم وغیرہم کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے نکلے تو حریف گروہ آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر ایمان وایقان کی پر وقار کیفیت دیکھ کر نہ صرف سہم گیا بلکہ اپنے دلوں میں آپ ﷺ کی نبوت کا قائل بھی ہو گیا ۴۴ لیکن عناد، ضد اور ہٹ دھرمی یعنی قومی و مذہبی تعصب سدّ راہ ہوا اور وہ دولتِ اسلام سے محروم رہا۔

بہر حال جب انہوں نے دلائل و براہین کے باوصف قبول حق سے انکار کر دیا اور اور مباہلہ سے گریز کیا، لیکن دبے انداز میں سہی کچھ انقیاد و اعتراف کی کیفیت ان سے ظاہر ہوئی تو موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ایک بار پھر نہایت مہر و تلطف کے ساتھ اور بحث و جدال سے احتراز کرتے ہوئے دعوت و ارشاد کا ایسا آسان اور قابل قبول طریقہ اختیار کیا گیا جس کو ہر عقل سلیم اور طبع مستقیم مبنی بر انصاف کہہ سکے اور جس سے فرار کی کوئی راہ نہ مل سکے۔ یعنی ان کو کلمہ سوا کی دعوت دی گئی:

قُلْ يَـا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللهَ وَلَانُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَايَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران:۳/۶۴)

(کہدو: اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے اگر وہ اس سے اعراض کریں تو کہدو کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں)۔

قطع نظر اس سے کہ ''اہل کتاب'' سے یہاں کون لوگ مراد ہیں ۴۵، ان الفاظ سے مخاطب کو خطاب کرنے میں بڑی حکمت و مصلحت پوشیدہ ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ: یہ بہترین نام اور شاندار لقب ہے۔ اس لئے کہ مخاطب کو کتاب اللہ کا اہل قرار دیا گیا ہے اور یہ لقب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ متکلم مخاطب کی انتہائی تعظیم و تکریم اور اس کی دلجوئی کرنا چاہتا ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب آدمی اپنے مخالف کے ساتھ عناد و ہٹ دھرمی اور خوامخواہ کے نزاع و جدال سے بچ کر درمیان و اعتدال کی راہ اختیار کرنا چاہتا ہے تا کہ جھگڑا ختم ہو جائے اور اتحاد و ائتلاف کی کوئی صورت نکل آئے ۴۶۔

آیت کا مفہوم اور اس کی معنویت

اس آیت میں اہل کتاب کو توحید کی دعوت اس طرح دی گئی کہ یہ ایک ایسی مشترک حقیقت ہے جس کی دعوت اس سے پہلے پچھلے انبیا بھی دے چکے ہیں۔ تمہارے پاس موجود صحیفوں میں یہ دعوت موجود ہے۔ یہ ایک ایسی اصل ہے جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہے۔ جس کی صداقت پر ہم سب کا اتفاق ہے۔ گو یہ چیز تمہارے یہاں عملاً فراموش ہو گئی ہے یا اس میں از راہ بدعت، خلاف حقیقت باتیں شامل ہو گئی ہیں۔ اس لئے آؤ اور تمام اختلافی و نزاعی باتوں کو نظر انداز کر کے توحید اور خدا پرستی کی اِن بنیادی صداقتوں پر متفق ہو جائیں:

۱۔ صرف اللہ کی عبادت کی جائے۔

۲۔ جو کچھ اس کے لئے خاص ہے اس میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

۳۔ کسی کو شریعت سازی کا خدائی مقام نہ دیا جائے۔

یہ ایسے اصل الاصول کی دعوت تھی جس سے انکار کی جرأت وہی شخص کرتا جو سراپا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعصب اور نفسانیت میں غرق ہوتا۔جس کے اندر ذرا بھی سنجیدگی اور اعتراف حق کا جذبہ ہوتا وہ اس سے روگردانی کی ہمت نہ کرپاتا۔اسی لئے آگے فرمایا گیا: "فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون" ۔مطلب یہ ہے کہ جب انبیاورسل کی اصل بنیادی تعلیم اوراہل کتاب کے یہاں موجود آسمانی صحیفوں اور کتابوں کی متفق علیہ بات ان کے سامنے پیش ہواور وہ اس سے اتفاق کرنے اور تسلیم کرنے سے گریز کریں تو جان لوکہ حجت تمام ہوگئی اوران کا انکار محض تعصب وعناد کی بنا پر ہے۔اس لئے ان سے کہو کہ اگرتم اس مسلم و متفق علیہ حقیقت کوبھی کسی وجہ سے ماننے کے لئے تیارنہیں ہوتو کم ازکم ہمارے حق میں اس امر کی شہادت دوکہ ہم اس کوتسلیم کرنے اور ماننے والے ہیں ۔ان منکرین توحید کو مسلمانوں کی طرف سے اپنے اسلام وتوحید پر گواہ بنانے میں ایک طرف ان سے اظہار برأت ہے کہ ہم نے تم کو ہرممکن اور واضح طریقہ سے ایمان واسلام کی دعوت دے کر اپنا فرض ادا کردیا۔اب آگے خدا کے حضور ساری ذمہ داری تمہاری اپنی ہے۔دوسری طرف اس میں تعریض بھی ہے کہ جب وہ اہل اسلام کے اسلام کی گواہی دیں گے تو گویا اپنی زبان سے اعتراف کریں گے کہ وہ خود نہ اسلام لانے والے ہیں اور نہ اس مشترک حقیقت کوتسلیم کرنے والے،اسلئے وہ خطاوار ہیں۔صاحبِ روح المعانی کے الفاظ میں:

هو تعريض بهم لانهم اذ اشهدوا بالاسلام لهم فكأنهم قالوا انا لسنا كذلك والىٰ هذا ذهب بعض المحققين ۴۷؎

وہ کلمۂ سوا جس پر اتحاد کی دعوت اہل کتاب کو دی گئی ہے قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی اس کوتمام انبیاء کی دعوت کہا گیا ہے۔سورہ انبیاء ۲۵/ میں ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَااِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ.

(اورہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجا اس کے پاس اسی بات کی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔اس لئے میری ہی عبادت کرو)۔

سورہ نحل ۳۶/ میں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ.

(اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول (اس پیغام کے ساتھ) بھیجا کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو)۔

علامہ رشید رضا مصریؒ نے اپنی تفسیر المنار میں ۴۸ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے تفسیر ماجدی میں ۴۹ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے تدبر قرآن میں ۵۰ بعض آسمانی صحیفوں سے ایسے حوالے نقل کئے ہیں جن سے قرآن مجید کے مذکورہ دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی کلمۂ سواء کی دعوت شہنشاہ روم ہرقل کو دی، وفد نجران کو دی، مدینہ کے اہل کتاب کو دی، یہاں تک کے بعض کفار و مشرکین کو بھی اس کی دعوت دی ۵۱۔ قرآن مجید کے اس حکم اور اس کے بعد کی آیات اور پھر نبی کریم ﷺ کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ اتفاق سے اختلاف کی طرف جانا چاہئے۔ وہ باتیں جو مخاطب کو تسلیم ہیں جو اس کے لئے اجنبی نہیں ہیں انہیں بنائے بحث و استدلال بناتے ہوئے بتدریج ان امور کی طرف بڑھنا چاہئے جو ان مسلمات سے لازم آتے ہیں تا کہ مخاطب مانوس سے غیر مانوس کی طرف بڑھتے ہوئے غیر محسوس انداز میں ان امور و حقائق کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو سکے جسے داعی اس سے منوانا چاہتا ہے۔

داعی کو چاہئے کہ وہ اپنے اور مخاطب کے درمیان قدرِ مشترک تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ اگر کوئی مشترک بنیاد مل جائے تو اسی کو بنیاد بنا کر گفتگو آگے بڑھائے بلا وجہ اپنی انفرادیت اور برتری کا سکہ جمانے کی کوشش نہ کرے۔ ورنہ اس سے مخاطب کے ذہن و دماغ میں داعی کے تعلق سے بدگمانی پیدا ہو سکتی ہے کہ یہ ایسا شخص ہے جو ہمارے تمام ورثہ پر خط تنسیخ پھیرنا چاہتا ہے۔ اس لئے داعی کا اسلوب و انداز ایسا ہونا چاہئے کہ مخاطب کو محسوس ہو کہ یہ ہمارے ہی اگلوں کا ورثہ ہماری طرف منتقل کرنا چاہتا ہے

انسان چاہے کتنے ہی متضاد اختلاف و انتشار میں مبتلا ہو اور کتنے ہی بے جوڑ فکر و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیال اور بے میل تہذیب و ثقافت کا حامل ہو پھر بھی فطرت کے تقاضے کے تحت، بہت سی ایسی اصولی و اخلاقی چیزیں مل سکتی ہیں جن میں مشرق و مغرب، عرب و عجم سب کا نقطۂ نظر ایک ہی ہو۔ اگر اس نکتہ اتصال و اشتراک کو اساس قرار دے کر اس بات کی سعی کی جائے کہ منطقی طور پر ان اصولوں سے جو باتیں لازم آتی ہیں لوگ ان میں متفق اللفظ ہو جائیں تو یہ چیز ان لوگوں کو اپیل کرے گی جو نیک نیت اور سلیم فطرت ہوں گے اور اس سے ایک اچھا معاشرہ اور پرامن سماج وجود میں آ سکتا ہے۔ انسانی ہمدردی و بہی خواہی سے بھرپور ماحول اور خوشگوار فضا قائم ہو سکتی ہے۔

دل سے دل مل جائے گا ہاتھ میں دے کر ہاتھ چلو
جہاں تلک ہے ایک ہی رستہ وہاں تلک تو ساتھ چلو

اس طرح کی کوشش گاؤں، قصبہ اور شہر کی سطح سے اٹھ کر ملکی و بین الاقوامی سطح تک کی جا سکتی ہے۔ رسول خدا ﷺ کا مذکورہ عمل ہم کو بہترین اسوہ اور نمونہ فراہم کرتا ہے اور بقول علامہ ابن عطیہ "یہ دعوت تا قیامت جاری رہے گی"۔ ۵۲

جس ماحول میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دعوت کا ایک مقصد مخاصمت، بدگمانی اور کشیدگی سے پاک میل ملاپ اور بھائی چارگی سے پر خوشگوار فضا اور سازگار ماحول بھی قائم کرنا تھا۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اس حکم خداوندی اور اسوۂ نبوی کی بنیاد پر دوسرے ہم وطنوں اور پڑوسیوں کے ساتھ اتحاد و اتفاق کی کوئی مشترک بنیاد ڈھونڈ کر پرامن ماحول، خوشگوار فضا اور انسانی بہی خواہی و ہمدردی سے معمور سماج کے قیام کی کوشش کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح فرقوں، مسلکوں اور جماعتوں میں بکھری ہوئی مسلم امہ کی شیرازہ بندی کے لئے بھی کلمۂ سواء کے مذکورہ تینوں نکات کو اساس و بنیاد بنا کر وسیع پیمانہ پر اتحاد و یکجہتی کی تحریک چلائی جا سکتی ہے۔

آخری اور سب سے اہم بات جو اس آیت سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ داعی کو اپنی بات ہمیشہ حکمت و موعظت اور جدال احسن کے انداز میں کہنی چاہئے۔ جو بات بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہے دلیل و برہان کی روشنی میں کہے۔ دھونس جمانے اور مرعوب کرنے کے بجائے مہر و محبت، عزت و اکرام اور خلوص و خیر خواہی کے ساتھ کہے۔ بے موقع بات کہنے کے بجائے مناسب موقع و محل اور صحیح وقت کی تلاش میں رہے۔ جیسے ہی محسوس ہو کہ حالات سازگار اور مخاطب آمادہ اور گوش برآواز ہے تو بغیر کسی توقف کے موقع سے فائدہ اٹھا کر مناسب حال اسلوب و انداز میں اپنی دعوت پیش کرے۔ اس کے باوجود اگر وہ آمادۂ تسلیم و رضا نہ ہو تو منت و لجاجت اختیار کرنے کے بجائے حکمت بھرے انداز میں اس طرح اعراض و براءت کرے کہ اعراض بھی تنبیہ و دعوت اور اتمام حجت کا کام کرے جیسا کہ آیت کے آخری حصہ ''فقولوا اشهدوا بانا مسلمون'' سے ظاہر ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ ابو منصور محمد بن احمد الازہری، تہذیب اللغۃ، دار احیاء التراث العربی بیروت، طبع اولی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء، ۸۶/۱۳؛ احمد بن محمد الفیومی الحموی، المصباح المنیر، مادہ س، و، ی، دار الغد الجدید قاہرہ، طبع اولی، ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء، ص ۱۷۲-۱۷۳؛ سعید الخوری اللبنانی، اقرب الموارد فی فصیح العربیۃ والشوارد، طبع ثانی ۱۹۹۲ء، ۲۳۵/۲

۲۔ ابوبکر بن الحسن بن درید الازدی، جمهرة اللغة، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اولی، ۲۰۰۵ء/ ۱۴۲۶ھ، ۲۲۰/۱

۳۔ مصدر سابق

۴۔ تہذیب اللغۃ، محولہ بالا، ۸۶/۱۳

۵۔ اقرب الموارد، بیروت، ۱۸۸۹ء، ۵۶۰/۱

۶۔ ابو النصر اسماعیل بن حماد الجوہری، الصحاح، احیاء التراث العربی، بیروت، طبع رابع، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ۱۹۰۲/۵

۷۔ ابو اسحاق الزجاج البغدادی، معانی القرآن و اعرابہ، لبنان، طبع اولی، ۲۰۰۷ء، ۳۳۰/۱

۸۔ ازہری، تہذیب اللغۃ، ۸۷/۱۳

۹۔ جمهرة اللغة، ۴۹۳/۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰۔ ازہری، تہذیب اللغۃ،۱۳/۱۸۷؛ زمخشری، اساس البلاغہ، دارالمعرفہ، بیروت،۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء، ص۲۲۶

۱۱۔ ابوحیان الاندلسی، البحر المحیط، دارالفکر، بیروت،۱۴۱۲ھ،۱۹۹۲ء، ۱/۵۷

۱۲۔ ازہری، تہذیب اللغۃ،۱۳/۸۷

۱۳۔ محمد بن جریر الطبری، تفسیر طبری، داراحیاء التراث العربی، بیروت، طبع اولی،۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء، ۳/۳۵۲

۱۴۔ سید محمود آلوسی، روح المعانی، مکتبہ زکریا دیوبند، طبع اولی، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، ۳/۳۰۸

۱۵۔ تفسیر طبری، ۳/۳۵۴؛ ابومحمد بن عطیہ، المحرر الوجیز، دارالکتب العلمیہ، بیروت،۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء، ۱/۴۴۹؛ البحر المحیط، ۳/۱۹۴؛ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری قرطبی، احکام القرآن، داراحیاء التراث العربی، بیروت، بدون تاریخ،۴/۱۰۶

۱۶۔ راغب اصفہانی، مفردات القرآن، مکتبہ احسان، لکھنؤ، بدون تاریخ، ص۲۷۰

۱۷۔ قرطبی، احکام القرآن،۴/۱۰۶

۱۸۔ محمد بن علی الشوکانی، فتح القدیر، مکتبہ الرشد، ریاض، ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء، ۱/۳۱۱

۱۹۔ ابوحیان، البحر المحیط،۳/۱۹۳-۱۹۴

۲۰۔ ابوالحسن علی بن محمد خازن، معانی التنزیل، طبع اولی، مطبع التقدم العلمیہ، مصر۱۳۳۱ھ، ۱/۳۰۳

۲۱۔ اسماعیل حقی البروسی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول،۲۰۰۳ء/۱۴۲۴ھ، ۶/۴۸

۲۲۔ البحر المحیط، ۳/۱۹۴

۲۳۔ روح المعانی، ۳/۳۰۸

۲۴۔ جاراللہ زمخشری، الکشاف، تحقیق عادل احمد عبدالموجود اور الشیخ علی محمد المعوض، مکتبہ العبیکان ریاض، طبع اولی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء، ۱/۵۶۷

۲۵۔ ابوالسعود العمادی، تفسیر ابی السعود، داراحیاء التراث العربی، بیروت، طبع ثانی ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء، ۲/۴۷

۲۶۔ تفسیر خازن، ۱/۳۰۳

۲۷۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، موسسۃ الریان، بیروت، طبع سابع ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء، ۱/۸۴

۲۸۔ فراء بغوی، معالم التنزیل فی التفسیر والتاویل، دارالفکر، بیروت،۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء، ۱/۴۸۲-۴۸۳

۲۹۔ بعض اہل لغت نے بھی سوار کا معنیٰ عدل بتایا ہے۔ اس سے ان کی مراد یا تو وہی ہے جو زجاج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے بیان کی ہے یا پھر انہوں نے اپنی عادت کے مطابق محض مفسرین کے اقوال نقل کر دیئے ہیں۔ ''عدل'' سے حق وانصاف والی بات مراد لینا گو یہ اس کا لازم اور مرادی معنی ضرور ہے۔ مگر یہ اس کا اصل معنی نہیں ہے صاحب ''معجم مقاییس اللغة'' اس کی اصل بتاتے ہوئے لکھتے ہیں :العدل: ع،د،ل۔ اصلان صحیحان لکنهما متقابلان فالاول : العدل من الناس ، المرضی المستوی الطریقة اما الاصل الآخر فیقال : الاعوجاج۔ عدل وانعدل ای انعرج (معجم مقاییس اللغة، ۲۴۶/۴)۔ لفظ عدل کا حق وانصاف کے معنی میں استعمال بہت عام ہے جو اس کا لازم معنی ہے۔ مفسرین کرام کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جب کسی آیت میں وارد کوئی لفظ کئی معنی رکھتا ہو اور بغیر کسی تعارض وتناقض کے آیت ان تمام یا ان میں سے چند معانی کی متحمل ہو سکتی ہے تو ان تمام معانی کو جمع کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید کا یہ بہت بڑا اعجاز ہے کہ وہ بہت سے مختلف المعانی الفاظ استعمال کرتا ہے اور وہ مختلف ومتعدد معانی بیک وقت مراد بھی لئے جا سکتے ہیں۔ اس موضوع پر راقم کا ایک مضمون ''قرآن مجید میں مستعمل بعض مشترک الفاظ اور ان کی معنویت'' کے عنوان سے ششماہی علوم القرآن (علی گڑھ)، ۲/۲۹، جولائی-دسمبر ۲۰۱۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۳۰۔ ابن عطیہ اندلسی، المحرر الوجیز، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اولی، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء، ۱/ ۴۴۹؛ البحر المحیط، ۳/۱۹۴

۳۱۔ فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، بدون تاریخ، ۸/۸۶

۳۲۔ معانی القرآن واعرابہ، ۱/۴۳۰

۳۳۔ المحرر الوجیز، ۱/۴۴۹

۳۴۔ سید قطب، فی ظلال القرآن، دار الشروق، بیروت، طبع سادس، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ۱/۴۰۶

۳۵۔ نظم کے تعلق سے علامہ شوکانی کے سخت منفی خیالات کے لئے سورہ بقرہ آیت ۴۰ کے تحت ان کی طویل گفتگو کے لیے ملاحظہ ہو فتح القدیر، ۱/۶۳-۶۵

۳۶۔ فتح القدیر (۱/۳۱۱) کے الفاظ میں: قیل الخطاب لاهل نجران وقیل لیهود المدینة وقیل للیهود والنصاری جمیعا وهو ظاهر النظم القرآنیو لاوجه لتخصیصه بالبعض لان هذه الدعوة عامة لاتختص باولئك الذین حاجوا رسول ﷺ۔

۳۷۔ ازہری، تہذیب اللغة، ۱۳/۸۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۸ معالم التنزیل، ۴۸۳/۱

۳۹ زمخشری، اساس البلاغة، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء، ص ۲۲۶

۴۰ صحاح للجوهری، ۱۹۰۲/۵

۴۱ مباہلہ کا مطلب ہے کہ اگر کسی امر کے حق و باطل ہونے میں نزاع ہو جائے اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو تو پھر یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ سب مل کر اللہ سے دعا کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو اس پر خدا کی طرف سے وبال وہلاکت پڑے۔ حاصل یہ کہ جھوٹے پر قہر نازل ہو سو جو شخص جھوٹا ہوگا وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا۔ اس طرح دعا کرنے کو مباہلہ کہتے ہیں۔ اس میں اصل خود مباحثہ کرنے والوں کا جمع ہو کر دعا کرنا ہے۔ اپنے اعزہ واقارب کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر جمع کر لیا جائے تو اس سے اہتمام اور بڑھ جائے گا۔ (مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ مصطفائیہ، دیوبند، بدون تاریخ، ۸۵/۲)

۴۲ تفسیر ابن کثیر، ۴۸۰/۱-۴۸۵؛ تفسیر طبری، ۳۵۰/۳-۳۵۲؛ المحرر الوجیز، ۴۴۷/۱-۴۴۸

۴۳ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۹۵ء، ۲۶۱/۱

۴۴ حوالہ سابق۔ تفسیر ابوالسعود (۴۶/۲) میں ہے: فقال اسقف نجران یامعشر الانصار انی لأری وجوها لوسألوا اللّٰہ تعالی ان یزیل جبلا من مکانه لازاله - فلاتباهلوا فتهلکوا ولایبقی علی وجه الارض نصرانی إلی یوم القیامة۔

۴۵ بہت سے مفسرین نے یہود و نصاریٰ دونوں کو مراد لیا ہے۔ کسی نے اہل نجران کو مخاطب قرار دیا ہے تو کسی نے یہود مدینہ کو۔ امام رازی نے اس کو نصاریٰ سے متعلق مانا ہے (رازی، التفسیر الکبیر، ۵۸/۸)۔

۴۶ حوالہ سابق

۴۷ روح المعانی، ۳۰۹/۳

۴۸ السید رشید رضا، تفسیر المنار، دار المعرفہ، بیروت، طبع ثانی، بدون تاریخ، ۳۲۳/۳-۳۲۴

۴۹ عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، صدق جدید بک ایجنسی، لکھنؤ، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی، بدون تاریخ، ۶۰۰/۱

۵۰ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، ۲۰۰۶ء، ۱۱۲/۲

۵۱ جلال الدین السیوطی، الدر المنثور، بدون سنہ و مطبع (متعلقہ آیت) ۴۰/۲؛ فتح القدیر، ۳۱۲/۱

۵۲ المحرر الوجیز، ۴۴۸/۱

© rasailojaraid.com